پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سیرت النبیِ شبلیؒ میں فکرِ فراہیؒ

مولانا حمید الدین فراہیؒ کی علمی عبقریت اور فنّی صلابت کی اس سے بڑی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ عہدِ جدید کے معلمِ اوّل اور علوم اسلامی کے امام عصر استاذ الاساتذہ مولانا شبلی نعمانی نے نہ صرف ان کے علم وفضل کا اعتراف کیا بلکہ تا زندگی ان سے کسبِ فیض، اخذِ معلومات اور استفادۂ علمی کرتے رہے۔[۱] اور کچھ مولانا شبلی ہی پر منحصر نہیں، ان کے بہت سے بزرگ و خورد معاصرین علمار کرام اور فضلائے عظام نے مولانا فراہیؒ کے علم وفضل، حکمت وتدبر اور علمی تجربے فائدہ اٹھایا تھا۔[۲] مولانا شبلی کے ان سے استفادہ کرنے میں جہاں ان کی اپنی عظمت و بڑائی موجود ہے وہاں مولانا فراہی کی رفعتِ منزلت اور علمی اعتبار واستناد کی شہادت بھی کہ مولانا شبلی ان کے شخصیت ساز معلم ومربی تھے۔[۳] شاگردِ رشید وعزیز سے استاد گرامی قدر کے استفادہ کی شہادتیں مکاتیبِ شبلی، حیاتِ شبلی اور سیرت النبیؐ وغیرہ کے اوراق وصفحات پر ثبت ہیں۔ ان سے دو طرفہ استفادۂ وافادۂ علمی کی نوعیت کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے اور ان کی وسعت وگہرائی کا تجزیہ بھی۔ مصنفِ سیرت النبیؐ کو اس علمی دیانت وتالیفی شرافت کا شرف ملتا ہے کہ انھوں نے اپنی مایۂ ناز سیرت کی تالیف وتصنیف میں جن اہلِ علم واصحابِ دانش سے کوئی بھی علمی معاونت لی تھی اس کا بھرپور اعتراف و ذکر کیا ہے اور ان میں مولانا فراہی کا اسم گرامی بڑی محبت وتوقیر کے ساتھ لیا ہے۔[۴] اس مقالہ میں اصل بحث تو سیرت النبیؐ میں مولانا فراہی کے علمی، فنّی اور تحقیقی عطیات[۵] واضافات پر مرکوز رہے گی تاہم بعض دوسرے علمی یا غیر علمی معاونت وامداد کا بھی ضمناً ذکر آئے گا۔

جانشینِ شبلی اور جامع سیرت النبی مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا فراہی سے استفادہ کی نوعیت کو متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سیرت کا ان مباحث میں جن کا تعلق صحفِ بنی اسرائیل اور قرآن پاک سے ہے، وہ اپنے بھائی مولوی حمید الدین صاحب سے جنھوں نے اس قسم کے مسائل پر بہ تحقیق غور کیا تھا، اکثر مشورے کرتے رہتے تھے جن کا حوالہ مکاتیبِ شبلی میں جا بجا ہے"۔[۵]

مکاتیبِ شبلی حصہ دوم میں مولانا فراہی کے نام جو خطوط ہیں ان کی کل تعداد چھہتر ہے اور ان کی مدتِ مکاتبت ۳۰ جون ۱۸۹۵ء تا ۸ اکتوبر ۱۹۱۴ء کے انیس برسوں اور چار مہینوں پر محیط ہے۔[۶] سیرتِ نبوی کے بارے میں مولانا فراہی سے مولانا شبلی کے استفسارات واستفادات ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۲ء سے شروع ہوتے ہیں اور ۳۰ جنوری ۱۹۱۴ء کے نامۂ شبلی پر ختم ہوتے ہیں[۷] اگرچہ سیرت کے بارے میں مولانا شبلی ان سے تا آخر کسی نہ کسی قسم کا ربط وتعلق رکھتے نظر آتے ہیں۔

سیرتِ نبوی کے حوالے سے ان مکاتیبِ شبلی کا جائزہ لیا جاتا ہے تو گوناگوں مضامین وامور میں مولانا فراہی سے استفسارات کا سلسلہ نظر آتا ہے۔ ان میں سے اہم ترین مضامین وامور یہ ہیں:

قرآن مجید سے متعلق جو مضامین ہیں وہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں بعض آیات کی تشریح وتفسیر کی طلبِ شبلی کا اظہار کرتے ہیں یا سورۂ برارۃ کی شانِ نزول کے متعلق توضیح وتحقیقِ فراہی کی چاہت۔ اسی ضمن میں حضرت سمٰعیل ذبیح کی قربانی کی حقیقت و نوعیت بھی بیان کی جاسکتی ہے اگرچہ اس کا زیادہ تعلق قبل اسلام عرب کے مباحث سے ہے۔ موخر الذکر کے بارے میں مولانا شبلی نے جن امور کی تحقیق مولانا فراہی سے چاہی تھی وہ حسب ذیل ہیں: حضرت اسمٰعیل کے ذبیح ہونے کے دلائل وشواہد تورات، بخاری اور تورات کی روایات میں اختلاف کی تشریح، حضرت اسمٰعیل وحضرت اسحاق کے بارے میں تورات کی روایت اور اس کا حوالہ حضرت ابراہیم کے بارے میں معلومات، وادیٔ بکہ، فاران، تعمیر کعبہ، حج سے متعلق تحقیقی معلومات اور جاہل عرب کے کتبات سے متعلق توضیحات، بعض انگریزی کتابوں اور مقالوں سے قبل اسلام عرب کے بارے میں جغرافیائی معلومات بھی طلب کی تھیں۔ اسی سلسلہ میں بعض کتابوں کے حوالے بھی دریافت کیے تھے۔ ان کے علاوہ بعض ضمنی امور دریافت کیے تھے۔ ان کے علاوہ بعض ضمنی امور دریافت کیے تھے یا ان کو از راہِ تعلق خبر دی تھی اور مشورے چاہے تھے۔

مکاتیبِ شبلی سے مولانا شبلی کے استفسارات تو معلوم ہوتے ہیں لیکن جواباتِ فراہی کا

اکثر و بیشتر پتہ نہیں چلتا۔ البتہ بعد کے بعض مکاتیب سے ان کی کسی حد تک نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان یک طرفہ معلومات سے سیرت النبیؐ میں افادات فراہی کی کمیت و کیفیت حتمی طور سے متعین نہیں کی جا سکتی۔ اس کی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ شبلی کی سیرت النبی کے متعلقہ مباحث کا بھی ساتھ ہی تجزیہ کیا جائے اور جہاں جہاں مواد دستیاب ہو وہاں تصانیف فراہی سے بھی موازنہ کیا جائے۔ یہ خاصا مشکل کام ہے مگر اس سے کہیں زیادہ دشواری یہ ہے کہ تحقیقات شبلی سے افادات فراہی کو کیسے الگ کیا جائے؟ بہر حال مقابلہ و موازنہ اور تجزیہ سے سیرت النبیؐ میں فکر فراہی کی تاثیر کا کسی حد تک اندازہ تو لگایا ہی جا سکتا ہے۔ خاص کر ان مقامات و مباحث میں جہاں علامہ شبلی نے طرز عام سے ہٹ کر یا فکر فراہی کے موافق روش اپنائی ہے۔

پہلے مکتوب میں مولانا شبلی نے قرآن مجید سے متعلق دو باتیں لکھی ہیں: اول "سورۂ تحریم کی تفسیر جو تم نے شائع کی ہے وہ بھیج دو"۔ اور دوم یہ کہ "سورۂ احزاب میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ازواج کی جو اجازت ہے اور عدل کی قید اڑا دی گئی ہے، یہ کیا بات ہے؟"[۸]۔ غالباً مولانا فراہی کے جواب ملنے کے بعد مولانا شبلی نے اپنے دوسرے مکتوب ۵۷ مورخہ ۲ نومبر ۱۹۱۲ء میں اسی سے متعلق مزید لکھا تھا کہ "طبقات ابن سعد وغیرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نو میں سے صرف چار ازواج کو رکھ لیا تھا، پانچ الگ کر دی گئی تھیں، گو ان کو طلاق نہیں دی، ان کے نام بھی لکھے ہیں، یہ غالباً تحدید اربع کی تعمیل ہو گی لیکن نزول آیت کا زمانہ نہیں معلوم ہوتا"[۹]۔ ان دونوں سے متعلق مولانا شبلی کا تیسرا اور چوتھا مکتوب (۶۵ اور ۶۶) ہیں۔ اول الذکر میں ہے کہ "آیت تخییر (ازواج)، اعتزال اور مظاہرۂ ازواج تین واقعے الگ الگ بیان کیے جاتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک سب ایک ہی سلسلہ کے اور ہم زمان ہیں۔ ابن حجر کی بھی یہی رائے ہے، تم اپنی تحقیق لکھو۔ لیکن سب سے مقدم بحث یہ ہے کہ حضرت عائشہ اور حفصہ کا مظاہرہ ایسی کیا چیز تھی جس کے لیے خدا و ملائکہ و صالح المومنین کی ضرورت پڑی"۔ مسئلہ متعلقہ سے چوتھے مکتوب میں یہ تحریر فرمایا تھا: "سورۂ تحریم کی تفسیر دیکھ تو چکا ہوں، لیکن دو نسخے بھیج دو، اس وقت میرے پاس نہیں"[۱۰]۔ مولانا شبلی کے پانچویں مکتوب (۶۸) سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فراہی نے جواب میں جو کچھ لکھا تھا اس سے مکتوب نگار کی تشفی نہیں ہوئی، لہذا ان کو اس مسئلہ پر مزید لکھا: "مظاہرہ کو سیاست

سے کیا تعلق ہے؟ مفسرین تو وہی نفقہ کا جھگڑا بتلاتے ہیں، اس کو سیاست سے کیا تعلق ہے؟"[۱۱]۔ ان دونوں آیتوں سے متعلق استفسارات کے علاوہ مکاتیب شبلی میں اس مسئلہ پر اور کچھ مذکور نہیں۔ قرآن مجید سے متعلق دو اور مکتوب ہیں ان کا ذکر بعد میں آئے گا۔

سیرت النبیؐ میں مولانا شبلی نے سورۂ احزاب کی آیت ۵۱ کی روشنی میں ازواج مطہرات کے باب میں نہ تو عام "اجازت الٰہی" سے بحث کی ہے اور نہ ہی "عدل کی قید اڑانے سے"۔ انھوں نے اسی طرح ابن سعد کی اس روایت نامعقول سے بھی تعرض نہیں کیا جس کے مطابق تحدید اربع کی تعمیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار ازواج کو رکھ لیا تھا اور پانچ کو بلا طلاق الگ کر دیا تھا[۱۲]۔ دراصل ازواج مطہرات سے متعلق ابواب و فصول میں یہ بحث مولانا شبلی اپنی وفات حسرت آیات کا سبب مکمل ہی نہ کر سکے تھے اور مولانا عبد السلام ندوی نے جو مواد و مضمون ان کو لکھ کر دیا تھا اس کو معمولی رد و بدل کے ساتھ اپنی زبان بیان اور اسلوب مبین میں تحریر کر کے شامل کتاب کر لیا تھا[۱۳]۔ اگر اجل غیر مبرم نے انھیں مہلت تکمیل دی ہوتی تو وہ اس موضوع پر مکمل بحث ضرور فرماتے۔ جہاں تک مولانا فراہی کی تحقیق و تدقیق کا معاملہ ہے کم از کم اس راقم سطور کو اس آیت کریمہ کے بارے میں کچھ نہیں مل سکا[۱۴]۔ البتہ سورۂ تحریم کے حوالے سے ان دونوں بزرگوں کے ہاں نہ صرف ان کے اپنے نقطۂ نظر ملتے ہیں بلکہ سیرت النبی میں فکر فراہی سے علامہ شبلی کی اثر پذیری یا عدم تاثیر کا سراغ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ مولانا شبلی نے سیرت النبیؐ کے باب "واقعہ ایلاء و تخییر و غزوۂ تبوک" میں اپنے مکتوب ۶۵ والی عبارت یا نقطۂ نظر دہرایا ہے کہ ایلاء، تخییر، مظاہرۂ حفصہ و عائشہ... واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں واقعے ہم زمان اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں"۔ ان کے نزدیک سبب ایلاء نان و نفقہ میں ازواج مطہرات کا بہ تقاضائے بشریت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اضافہ کا مطالبہ تھا۔ اسی دوران حضرت زینب کے گھر آپ کے نسبتاً طویل قیام یا تشریف فرما ہونے کا واقعہ اس بنا پر پیش آیا کہ وہ آپ کو شہد پیش کرتی تھیں جو آپ کو بہت مرغوب تھا۔ حضرت عائشہ کو رشک ہوا اور انھوں نے حضرت حفصہ سے کہا کہ آپ کی تشریف آوری پر آپ سے کہنا چاہیے کہ دہن مبارک سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ آپ چونکہ لطیف المزاج تھے اور "رائحہ کی ذرا سی ناگواری کو برداشت نہیں فرما سکتے تھے اس لیے آپ نے شہد نہ کھانے کی قسم کھالی جس پر

سورہ تحریم کی آیت ۱ اتری کہ آپ" اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے خدا کی حلال کی ہوئی چیزیں کیوں حرام کرتے ہو"، علامہ شبلی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مغافیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہ تھی... البتہ ازواج مطہرات کا ایکا کرنا بظاہر محل اعتراض ہو سکتا ہے لیکن یہ کسی کا اعتقاد نہیں کہ ازواجِ مطہرات معصوم تھیں یا اپنے انجاحِ مقاصد کے لیے جائز وسائل نہیں اختیار کرتی تھیں۔ اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہ سے فرمائی اور تاکید کر دی کہ کسی سے نہ کہنا لیکن انھوں نے حضرت عائشہ سے کہہ دیا اس پر سورہ تحریم کی آیت ۳ اتری... "شکر رنجیاں بڑھتی گئیں اور حضرت عائشہ وحفصہ نے باہم مظاہرہ کیا یعنی دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ دونوں مل کر زور ڈالیں۔ اس پر حضرت عائشہ وحضرت حفصہ کی شان میں سورہ تحریم کی آیات ۴ وغیرہ اتریں... حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے جن معاملات کی وجہ سے ایکا کیا تھا وہ خاص تھے لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے میں تمام ازواج مطہرات شریک تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکونِ خاطر میں یہ تنگ طلبی اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواجِ مطہرات سے نہ ملیں گے..." مولانا نے پھر پوری تفصیلِ ایلا بیان کر کے لکھا ہے کہ مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑی ضرر رساں سازش تھی جس کا اثر بہت پُرخطر تھا... اس بنا پر بعضوں نے قیاس کیا ہے کہ یہ مظاہرہ کوئی معمولی معاملہ نہ تھا... جب ازواج مطہرات کی کششِ خاطر اور کبیدگی اور تنگ طلبی کا حال منافقوں کو معلوم ہوا تو ان بدنفسوں نے اشتعال دے کر بھڑکانا چاہا ہوگا... آیت میں روئے سخن منافقین کی طرف ہے۔ یعنی عائشہ وحفصہ سازش بھی کریں گی اور منافقین اس سے کام لیں گے تو خدا پیغمبر کی اعانت کے لیے موجود ہے اور خدا کے ساتھ جبریل وملائکہ بلکہ تمام عالم ہے..." مولانا شبلی نے اس کے بعد حضرت ماریہ قبطیہ کے حوالہ سے منقول ہونے والی روایات کا ذبہ کی قلعی کھولی ہے۔[۵۱]

اگر مولانا شبلی مرحوم کے مذکورہ بالا بیانات وتصریحات وتحقیقات کا موازنہ مولانا فراہی کی تفسیر سورہ تحریم سے کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان پر فکرِ فراہی کا بہت گہرا اثر پڑا ہے اور خود مولانا مرحوم نے اس کا بعضوں کا قیاس کہہ کر بالواسطہ اعتراف بھی کیا ہے،

اگرچہ اس میں رنگِ ابہام وطرزِ ابہام زیادہ ہے۔ مولانا فراہی کے نزدیک ممکن ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے "بعض کو شہد ناپسند رہا ہو کہ ان کو بعض چیزیں طبعاً نامرغوب تھیں... جب آپ کو معلوم ہوا کہ آپ کی ازواج میں سے بعض کو یہ چیز ناپسند ہے تو آپ نے ترک فرما دیا.. جب صحابہ کو آپ کے اس ارادہ کا حال معلوم ہوا ہوگا تو آپ کی پیروی میں انھوں نے شہد کا استعمال ترک کر دیا ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو حکم دیا کہ اپنا یہ عہد توڑ دیں..."۔ مولانا فراہی نے سورہ تحریم کی آیت ۳ کے متعلق فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کو اپنا محرمِ راز بھی بناتے تھے اور پہلے واقعہ یعنی شہد کے استعمال ترکِ استعمال سے مماثل واقعہ یہ ہے کہ آپ نے جو بات حضرت حفصہ سے راز کے طور پر کہی تھی وہ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے اس لیے کہہ دی کہ دونوں میں "باہمی محبت ہی تھی جس نے آپس میں رازداری کے تمام پردے اٹھا دیے تھے اور ایک نے دوسرے سے ایک راز کی بات بے تکلف ظاہر کر دی جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی... یہ لغزش... بربنائے محبت واخلاص صادر ہوئی تھی... اس باہمی اعتماد کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افشائے راز پر کسی قدر ناخوشی کا اظہار فرمایا اور کچھ کھنچے کھنچے سے ظاہر ہوئے تو ان دونوں بیبیوں پر یہ بات شاق گذری... یہ دونوں بیویاں آپ سے روٹھ گئیں..." مولانا فراہی نے عرب کی غیرت وخودداری کی فطرت اور مکی ومدنی معاشرت میں عورت کے مختلف طرزِ عمل ومرتبہ پر بحث کر کے واضح کیا ہے کہ ان آیات میں پہلے اپنا احتساب پھر اپنے اہلِ خانہ اور اعزہ واقربا کے احتساب اور پھر پورے معاشرہ کے احتساب کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ اگرچہ مولانا فراہی نے مظاہرۂ ازواج سے منافقین وسازشیوں کے فائدہ اٹھانے اور اشتعال دے کر معاملات بگاڑنے کا واضح ذکر نہیں کیا ہے تاہم وہ اس سورہ کی تفسیر میں ہر جگہ صاف زیریں لہریں لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور جس کو انھوں نے مولانا شبلی کے استفسار میں واضح کیا ہوگا۔ مختصر یہ کہ مولانا شبلی کے بیانات پر جو فکرِ فراہی کا اثر نظر آتا ہے وہ کئی امور میں واضح ہے۔ یعنی حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ کا آپ سے مغافیر کی بو آنے کا ذکر جھوٹ بات نہ تھی، یہ بات بربنائے محبت تھی، دونوں کا ایکا کرنا جائز تھا اور باہمی محبت کا عمل، حضرت حفصہ کا حضرت عائشہ سے راز

کی بات کہنا بھی باہمی محبت کا نشان تھا، مکی معاشرت میں عورت شوہروں سے دبتی تھیں جب کہ مدنی معاشرت میں وہ آزاد تھیں، مظاہرہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ، ملائکہ اور نیک مومنوں کی طرف سے مدد کرنے کی جو بات کہی گئی ہے وہ دراصل منافقین مدینہ اور دشمنان اسلام کو مخاطب کر کے بطور تہدید کہی گئی ہے کہ وہ ایک خانگی معاملہ کو سیاست کی بازی گری نہ بنائیں۔[۱۷]

سیرت نبوی کے حوالہ سے قرآن مجید کے بارے میں آخری استفسار شبلی سورۂ برارۃ کے متعلق ہے جو مولانا فراہی سے کیا گیا تھا۔ مکتوب شبلی بنام فراہی ۷۳ مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۱۴ء میں ہے کہ "سورۂ برارۃ کے متعلق ایک امر نہایت اہم اور اساس مباحث عظیمہ ہے، یعنی یہ سورہ کب اُتری، صحاح ستہ میں فتح مکہ کے بعد اس کا زمانہ ہے یعنی ۹ھ میں۔ لیکن بظاہر صلح حدیبیہ کو جب کفار نے توڑ ڈالا ہے، اس کے بعد اور اسی کے متعلق یہ واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ اس سورہ میں صاف مسجد حرام کے پاس جو معاہدہ ہوا تھا اس کا ذکر ہے اور یہ ذکر ہے کہ "اس پر جب تک کفار قائم رہیں، تم بھی قائم رہو۔" ظاہر ہے کہ مسجد حرام کے پاس حدیبیہ کے سوا اور کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا لیکن فتح مکہ کے وقت تمام اہل مکہ مطیع ہو گئے اور پہلا معاہدہ بالکل بے تعلق ہو گیا اور پھر کوئی دوسرا معاہدہ نہیں ہوا، اس لیے اگر یہ سورہ ۹ھ میں اُتری تو اس کا تعلق کس معاہدہ سے ہے؟"[۱۸] مولانا شبلی نے یہ بحث سیرت النبیؐ میں سرے سے چھیڑی ہی نہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے اس کے متعلق اپنا یہ حاشیہ لگایا ہے:

"ان آیات میں یہ بیان ہے کہ مسجد حرام کے پاس (صلح حدیبیہ میں) جو معاہدے ہوئے تھے وہ ٹوٹ گئے، لیکن وہ معاہدے تو فتح مکہ سے پہلے ہی ٹوٹ گئے تھے، اور اس کے بعد کفار سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔ مصنف نے اس بنا پر اپنے ایک مکتوب ۷۴-۷۳ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ آیتیں ۸ھ میں فتح مکہ وقت نازل ہوئی ہوں گی اور شاید اسی لیے مصنف نے یہ واقعات قلم انداز کر دیے ہیں۔ لیکن خاکسار جامع کا خیال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ معاہدہ کے متعلق یہ آیتیں گو ۸ھ میں نازل ہوئی ہوں، لیکن ان کا عام اعلان مع دیگر ضروری احکام کے جیسا کہ صحاح ستہ کے مستند روایات میں مذکور ہے ۹ھ میں موسم حج

میں ہوا ہو۔"[۱۸]

مولانا فراہی کے جواب کے بارے میں نہ کچھ معلوم ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی تفسیر میں اس موضوع پر کوئی واضح بحث ہے۔ اس لیے مولانا شبلی کی اثر پذیری فراہی کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔[۱۹]

اگرچہ مکاتیب شبلی میں حضرت اسمٰعیل کے ذبیح ہونے کی حقیقت اور اس کے متعلقہ دوسرے امور و مباحث کے بارے میں قرآن کریم کے حوالہ سے مولانا فراہی سے کوئی استفسار نہیں ملتا تاہم اس کا تعلق قرآنی آیات سے ہے اس لیے اس کو بھی اسی ضمن میں زیر بحث لانا چاہیے۔ مولانا شبلی نے تورات وغیرہ کے حوالہ سے اس مسئلہ پر مولانا فراہی کی تحقیقات اپنے کئی مکاتیب میں طلب کی ہیں۔ زمانی ترتیب کے اعتبار سے مولانا شبلی کا پہلا مکتوب ۵۸ مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۱۲ء ہے جس میں وہ صرف اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں:

"تم نے حضرت اسحٰق کی صغر سنی سے جو استدلال کیا ہے وہ ناتمام ہے۔ تورات سے ثابت ہے کہ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر سو برس کی تھی۔ یہ بھی توراۃ میں ہے کہ حضرت ابراہیم ایک سو پچھتر برس کی عمر میں مرے۔ اس لیے حضرت اسحاق حضرت ابراہیم کی زندگی میں ستر برس سے زیادہ عمر کے ہو چکے تھے۔ توراۃ میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ قربانی کے وقت حضرت اسحاق صغیر السن تھے۔ تم نے صغر سنی کی دلیل یہ قرار دی ہے کہ انھوں نے اس وقت شادی نہیں کی تھی۔ لیکن یہ صغر سن کی کوئی دلیل نہیں۔ حضرت اسحاق نے تو چالیس برس کی عمر تک شادی نہیں کی تو کیا ۳۰-۳۵ برس تک ان کو صغیر السن کہہ سکتے ہیں۔ خدا نے اسحاق کی بشارت کے ساتھ کثرت نسل کی اگر بشارت دی تو اس کو قربانی سے کوئی منافات نہیں۔ ممکن ہے کہ شادی ہو جاتی اور اولاد ہوتی، پھر وہ قربانی کیے جاتے۔"

جامع مکاتیب علامہ سید سلیمان ندوی نے اس مکتوب پر یہ توضیحی نوٹ لگایا ہے:

"مسئلہ یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق تھے یا اسمٰعیل؟ مولوی حمید الدین نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ اسمٰعیل تھے۔ یہ بحث سیرۃ کے دیباچہ میں مفصل ہے۔ مولوی

حمیدالدین صاحب کا استدلال یہ ہے کہ خدا نے قربانی سے پہلے حضرت اسحاق کو تکثیر نسل کی بشارت دی ہے، اگر ان کی قربانی مقصود تھی، جس کے بعد قطع نسل ہوگا، تو اس بشارت کی صحت کیونکر ہوتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ شادی کے بعد اولاد ہونے کے بعد قربان ہوتے تو یہ اس لیے صحیح نہیں کہ وہ اس وقت صغیر السن تھے۔"[20]

مولانا شبلی نے اس موضوع پر اور بعض مکاتیب میں بھی مولانا فراہی کو لکھا ہے۔ مکتوب [62] مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۱۳ء میں بمبئی سے لکھتے ہیں:

"ان آیتوں کا حوالہ لکھو جن میں قربانی کے لیے "بکر" ضروری ہے۔ بعض اور باتیں جو تم نے لکھیں ان کے حوالے نہیں نقل کیے، (۲) مزمور ۸۳ میں اوس و خزرج کا تو ذکر نہیں صرف اسمٰعیل کا لفظ ہے، (۳) مورۃ کا کیا معنی جس کو انگریزی میں تحریف کر دیا ہے۔ . . .

ایک مبسوط کتاب ایک انگریز نے صرف اس بحث پر لکھی ہے کہ حضرت اسمٰعیل ذبیح نہ تھے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کوئی نسبی تعلق ہے۔ میں اس کو ساتھ لیتا آؤں گا، عبرانی عبارتیں بھی نقل کی ہیں اور مسلمانوں کے تمام استدلالات بھی۔ . . ."[21]

پھر اس کے بعد والے مکتوب [63] مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۱۳ء میں بمبئی ہی سے مولانا فراہی کو لکھتے ہیں:

". . . جس خط میں تم نے حضرت اسمٰعیل کے ذبیح ہونے پر آٹھ نو دلیلیں لکھی تھیں، اس میں توراۃ کے بعض نصوص نہیں نقل کیے، وہ لکھ بھیجو، مثلاً یہ کہ قربانی سے مراد خدمت ہیکل ہے، اولاد اسمٰعیل کا بڑے بال رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ کتاب کے ابتدائی حصہ میں صرف یہی بحث ناتمام ہے، اس لیے کتاب مطبع میں جانے سے رکی ہوئی ہے، جلدی لکھ بھیجو. . . ."[22]

مولانا شبلی نے حیدر آباد سے ۱۹۱۳ء کا شاید ماہ اکتوبر کی ۲۱ تاریخ کو مولانا فراہی کے نام صرف ایک سطری جواب میں اس موضوع پر یہ پیغام لکھا تھا کہ "خط پہونچا۔ قربانی کا مضمون بہت صحیح ہے، میں اس سے کام لوں گا۔"[23] پھر حیدر آباد ہی سے اپنے مکتوب [69] مورخہ ۱۲ [illegible]

۱۹۱۳ء اپنے وعدہ کو ایفا کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

". . . قربانی کے مضمون سے کام لے رہا ہوں، نہایت عمدہ ہے، لیکن بعض جگہ تقریب تمام نہیں۔ آیندہ لکھوں گا۔ وہ آیت بھی توراۃ میں نہیں ملی جس میں حضرت ابراہیم کا استغنا حضرت اسحاق سے تم نے بیان کیا ہے۔"[24]

اگرچہ قربانی کا ذکر نہیں ہے لیکن چونکہ بعض مکاتیب کا تعلق حضرت ابراہیم یا حضرت اسمٰعیل علیہما السلام سے ہے اس لیے ان کو بھی یہاں اسی سلسلہ میں نقل کیا جاتا ہے۔ مکتوب [59] مورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۱۳ء میں بمبئی سے لکھتے ہیں کہ:

". . . میں اب سیرۃ ابتدا سے اس طرح لکھ رہا ہوں کہ مکمل ہوتی جاتی ہے اور ساتھ ہی مطبع میں دے دی جائے لیکن اس ترتیب میں بعض جگہ رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور بعض مباحث ایسے پیش آجاتے ہیں کہ تم سے استفسار و تحقیق کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس وقت دو یا تین باتیں تحقیق طلب ہیں: (۱) توراۃ میں بہ تصریح موجود ہے کہ حضرت اسمٰعیل بیر سبع یا فاران میں آباد ہوئے، کتاب پیدائش باب ۲۵ درس ۱۸ میں یہ الفاظ ہیں: "اور وہ حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راہ میں ہے جس سے اسور کو جاتے ہیں بستے تھے ان کا قطعہ زمین ان کے سب بھائیوں کے سامنے پڑا تھا۔" ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل وہاجرہ عرب میں نہیں آئے اس کے متعلق تمھاری کیا تحقیق ہے؟ اور کیا توراۃ سے بالکل قطع نظر کر لینی چاہیے؟ — (۲) دوسری بات یہ ہے کہ بخاری کتاب الانبیاء میں ایک حدیث مرفوع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل جب مکہ میں آئے تو شیر خوار تھے لیکن توراۃ میں جہاں ختنہ کا ذکر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے جب حضرت اسمٰعیل کا ختنہ کیا تو ان کی عمر ۱۳ برس کی تھی۔ ان دونوں میں کیونکر تطبیق ہو سکتی ہے؟"[25]

ایک اور مکتوب [70] مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۱۳ء میں تحریر فرماتے ہیں:

"تم نے صفحہ ۷ میں ایک جگہ لکھا ہے: "انه لما جاءته البشارة

باسحق اظهر انه لاحاجة له الی غیر اسمٰعیل فانه ملأ
قلبی" اس کے بعد تم نے یہ علامات لکھے ہیں، ت ۱۱ : ۱۸ ۔ مجھ کو تکوین
کی اصحاح ۱۱ میں یہ عبارت کہیں نہیں ملی۔ صفحہ ۱۰ میں تم نے لکھا ہے کہ حضرت
ابراہیم کا مسکن صفا کی جانب تھا، پھر تکوین ۱ ۔ ۸ کا حوالہ دیا ہے لیکن تکوین
میں صفا کا ذکر نہیں۔ ۔" [۲۶]

حضرت اسمٰعیل کے ذبیح ہونے کا معاملہ اور اس کے متعلقات پر مولانا فراہی کے نام مولانا شبلی کا یہ آخری خط ہے۔

سیرت النبی میں مولانا شبلی نے "سلسلۂ اسماعیلی" کے باب کے تحت یہ دو بڑی بحثیں کی ہیں کہ :

۱۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل عرب میں آکر آباد ہوئے یا نہیں ؟
۲۔ حضرت ابراہیم نے حضرت اسحاق کو قربانی کرنا چاہا تھا یا حضرت اسمٰعیل کو ؟

مولانا شبلی نے پہلے توراۃ سفر پیدائش باب ۲۱ کے حوالے سے یہ واضح کیا ہے کہ حضرت ہاجرہ نے حضرت اسمٰعیل کو ان کے بچپن میں اپنے کاندھے پر لاد کر سفر ہجرت کیا اور بیر سبع کے میدان میں بھٹکتی پھریں، پھر فاران میں ان کے ساتھ مقیم ہوگئیں۔ انھوں نے پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے سن پر بحث کی ہے اور وہ بھی تورات کے حوالے سے اور پھر عیسائی علماء کے دعوی کو کہ فاران فلسطین میں واقع ہے مسترد کرکے ثابت کیا ہے کہ وہ حجاز کے ایک پہاڑ کا نام ہے اس کے لیے موسیو لیبان کے تمدن عرب سے ایک اقتباس دیا ہے اور مکتوب ۵۹ میں مذکور تورات کی عبارت بھی نقل کی ہے اور آخر میں گلیتون کے نام پولوس کے خط کا اقتباس نقل کیا ہے جو عہد نامہ جدید کے باب ۴ آیت ۲۴ کا ہے اور اس میں حضرت ہاجرہ کو عرب کا کوہ سینا کہا گیا ہے جس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ وہ عرب میں آباد ہوئی تھیں۔

دوسری بحث "ذبیح کون ہے" کی ذیلی سرخی کے تحت کی ہے کہ :

"... توراۃ میں گو تصریحاً حضرت اسحٰق کا ذبیح ہونا لکھا ہے لیکن مطاوی کلام میں اس بات کے قطعی دلائل موجود ہیں کہ وہ ہرگز ذبیح نہ تھے اور نہ ہوسکتے

تھے ..."

اور اس ضمن میں تورات کے مختلف حوالے دیے ہیں اور چھ دلائل نقل کیے ہیں :

(۱) قربانی پہلوٹے بچہ کی ہوسکتی ہے' (۲) پہلوٹے بچہ کی افضلیت زائل نہیں ہوسکتی' (۳) اللہ کو نذر کردہ اولاد کو ترکہ نہیں ملتا' (۴) نذر کردہ بچہ/شخص سر کے بال چھوڑ دیتا ہے اور معبد کے پاس جاکر منڈاتا ہے' (۵) خادم خدا کے لیے خدا کے سامنے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے' اور (۶) قربانی اکلوتے اور محبوب بیٹے کا حکم حضرت ابراہیم کو دیا گیا تھا۔ اس کے بعد قربانی کرنے سے مراد مولانا شبلی نے معبد کی خدمت لی ہے اور "حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا اس سے یہی مراد تھی کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لیے نذر چڑھا دیں۔ حضرت ابراہیم نے پہلے اس خواب کو عینی اور حقیقی سمجھا اور . . . لیکن بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ تمثیلی خواب تھا . . ." پھر چھ مزید دلائل دے کر ثابت کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل تھے نہ کہ حضرت اسحٰق، کیونکہ (۱) حضرت اسحاق حضرت اسمٰعیل کے بعد پیدا ہوئے تھے اس لیے وہ اکلوتے نہ تھے' (۲) حضرت اسمٰعیل کو پدری ترکہ نہیں ملا' (۳) حضرت اسمٰعیل کی سنت یہ تھی کہ حج کے زمانے میں بال نہیں منڈاتے تھے' (۴) ملتِ ابراہیمی میں قربانی اور نذر کے الفاظ حضرت اسمٰعیل کے لیے تھے نہ کہ حضرت اسحٰق کے لیے' (۵) حضرت اسمٰعیل ہی محبوب ترین فرزند تھے' (۶) حضرت اسحٰق کو پیدائش کے پہلے سے ہی کثرت نسل کی بشارت دی گئی، جب کہ حضرت اسماعیل کو قربانی کرنے کے صلے میں۔

مولانا شبلی آخری نتیجہ میں فرماتے ہیں کہ "...حضرت اسمٰعیل کو ذبیح تسلیم کیا جائے تو تمام نصوص منطبق ہو جاتے ہیں، حضرت اسمٰعیل اکبر اولاد تھے، محبوب تر تھے، قربانی کے وقت بالغ یا قریب البلوغ تھے، قربانی سے پہلے ان کو کثرت نسل کی بشارت نہیں دی گئی تھی... (بلکہ) یہ کثرت نسل اسی قربانی کے صلہ میں تھی اس لیے ذبیح حضرت اسمٰعیل ہی ہوسکتے ہیں۔"

مولانا شبلی نے اس کے بعد "مقام قربانی" پر تورات میں بیان کردہ نام "مریا" اس کی تعیین، اس کے مختلف ناموں موریا، مورہ پر بحث کرکے اس کو "مروہ" سے شناخت کیا ہے اور اسلامی روایات اور قرآن و حدیث کے دلائل دیے ہیں اور قربانی کی یادگار کے تحت بعض مناسکِ حج

کا ذکر کر کے ان کو ہی قربانی کی یادگار قرار دیا ہے۔ اور آخر میں قربانی کی حقیقت کے
تحت اس کو خدمت کعبہ کے لیے نذر چڑھانا بتایا ہے۔[۲۷]

حضرت اسمٰعیل کے ذبیح ہونے سے متعلق مولانا شبلی کی پوری بحث پر مولانا فراہی کی
تحقیقات کا اثر ہے بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ فراہی تحقیقات سے جزوی اختلاف کے ساتھ ماخوذ
ومستعار ہے۔ مولانا فراہی کی تصنیف "الرائی الصحیح فی من ھو الذبیح" (اردو ترجمہ
"ذبیح کون ہے؟") میں یہی دلائل وشواہد پورے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔
مولانا فراہی کی کتاب مذکورہ بالا کے تین ابواب ہیں۔ ان میں سے باب اول کے دلائل کمی بیشی
کے ساتھ مولانا شبلی نے قبول کر لیے ہیں۔ اس کتاب کے صرف اسی باب کے اہم مباحث
کی سرخیاں پیش کی جارہی ہیں:

(۱) حالت خواب میں وحی اور قربانی سے متعلق بعض اصولی مباحث، (۲) یہود کے
صحیفوں پر غور کرنے کے لیے چند بنیادی اصول، (۳) واقعہ ذبح تورات کے بیان کے مطابق
(۵) پہلی دلیل: حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کا مسکن (۶) دوسری دلیل: حضرت اسمٰعیل
ہی اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے، (۷) تیسری دلیل: حضرت اسمٰعیل اپنے باپ کے محبوب
تھے، (۸) چوتھی دلیل: حضرت ابراہیم کی قربان گاہ مروہ ہے جو خانہ کعبہ کے پاس ہے،
(۹) پانچویں دلیل: قربان ہونے کے اصلی حق دار حضرت اسمٰعیل تھے، (۱۰) حضرت اسحاق
کے لیے کثرت ذریت کی بشارت اس سے مانع ہے کہ وہ قربان ہوں، (۱۱) ساتویں دلیل:
قربانی کا واقعہ حضرت اسحاق کی ولادت سے پہلے پیش آیا، (۱۲) آٹھویں دلیل: حضرت اسمٰعیل
خداوند کی نذر تھے اور یہی قربانی کی حقیقت ہے، (۱۳) حضرت اسمٰعیل کے لیے "خداوند
کے حضور" کا لفظ آیا ہے اور یہی قربانی کی حقیقت ہے، (۱۴) دسویں دلیل: شریعت یہود
میں اس عظیم واقعہ کی کوئی نشانی نہیں ہے اور یہ ہماری ملت کی اساس ہے، (۱۵) گیارھویں
دلیل: یہود کو خانۂ کعبہ کی طرف قربانی کرنے کا حکم دیا گیا، (۱۶) بارھویں دلیل: مسکن اسمٰعیل
تمام ذریت ابراہیم کا قبلہ تھا، (۱۷) خانہ کعبہ ہی حضرت ابراہیم کی تعمیر اور ان کی قربان گاہ
ہے مولانا فراہی نے باب دوم میں حضرت اسمٰعیل کے ذبیح ہونے پر قرآن سے استدلال کیا

ہے اور اصول بیان کر کے تیرہ[۱۳] دلائل دیے ہیں، اور باب سوم روایات واقوال سلف پر ہے۔
دلچسپ بات ہے کہ بعض صحابہ مفسرین خاص کر حضرت ابن عباس حضرت اسمٰعیل کے ذبیح
ہونے کے قائل تھے اور ان کے بعد مفسرین کی ایک کثیر جماعت جن میں ابن کثیر بھی شامل
ہیں انھیں کو ذبیح مانتے ہیں اور جن لوگوں نے حضرت اسحق کو ذبیح مانا ہے ان کو علمائے اہل کتاب
سے بلا کسی دلیل وحجت کے قبول کرنے یا متاثر ہونے کی بات کہی ہے[۲۸]

تحقیقات فراہی سے اس معاملہ میں مولانا شبلی کی اثر پذیری تعریف وتحسین کے ساتھ
نقد وتبصرہ کا بھی موجب ہوئی ہے۔ سب سے پہلے جامع سیرت النبی علامہ سید سلیمان ندوی نے
قربانی کی حقیقت پر ناقدانہ نظر احتیاط واحترام کے ساتھ ڈالی ہے۔ انھوں نے حضرت ابراہیم کے
خواب بابت ذبح اسمٰعیل کو رویائے عینی جمہور علماء امت کے مطابق ثابت کیا ہے اور اس کو
رویائے تمثیلی قرار دینے پر استاذ گرامی علامہ شبلی کو اس کے قائلین علماء امت کی اتباع وپیروی
کہا ہے تاہم انھوں نے استاذ گرامی کے اس بیان پر کہ رویائے تمثیلی کو رویائے عینی سمجھ کر
حضرت ابراہیم نے بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی گو یہ اجتہادی غلطی تھی نقد کیا ہے کہ "ہیچمدان
جامع کا ذوق اس مقام پر اس واقعہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اجتہادی غلطی ماننے سے ابا کرتا
ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو محبت الٰہی میں سرشار تھے خطائے اجتہادی
سے نہیں بلکہ غلبۂ شوق واطاعت ومحبت میں اس حکم الٰہی کی تعمیل اپنی طرف سے بالکل بعینہ وبلفظہ
کرنے پر آمادہ ہو گئے، تاکہ اس ابتلاء میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پورے اتریں اور اپنی طرف
سے بیٹے کی جان کی قربانی کی جگہ اس کی خدمت توحید وتولیت کعبہ کے لیے وقف کر دینے کی
تاویل کا سہارا لے کر نفس کی متابعت کے شبہ اور دھوکے سے بھی پاک رہیں تا آنکہ اللہ تعالیٰ
خود اس حقیقت کو خود اپنے لفظوں میں واضح فرما دے۔"[۲۹]

اگر چہ اس خاکسار راقم سطور کی جسارت بے جا سمجھی جائے گی تاہم یہ کہے بغیر نہیں رہا
جاتا کہ قرآن مجید کی ذبح عظیم سے متعلق سورۂ صافات کی آیات کریمہ ۱۰۸-۱۰۱ میں اصل آیت
۱۰۳ میں خواب ابراہیمی میں فرزند کو ذبح کرنے کی بات کہی گئی ہے اور آیت ۱۰۵ میں حضرت
ابراہیم کے خواب کو سچ کر دکھانے کی بات کہی گئی ہے یعنی قد صدقت الرؤیا (تو نے

سچ کر دکھایا خواب)۔ اس سے بلاشبہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذبح سے مرادِ الٰہی حقیقی قربانی تھی یعنی چھری سے گردن کی شہ رگ کاٹ کر خون بہا کر جان کی قربانی اور حضرت ابراہیم نے صحیح مرادِ الٰہی کو سمجھا تھا جس پر تصدیقِ خواب کا لفظ گواہی دیتا ہے اور آیت نمبر ۱۰۶ میں مذکور اسی کو بلاءِ مبین کہا گیا ہے۔ تیسری دلیل ذبحِ عظیم سے اس کا فدیہ قرار دینا ہے جس پر آیت نمبر ۱۰۷ دلالت کرتی ہے*۔ قرآن سے قربانی کے معنی خدمتِ کعبہ اور تولیتِ کعبہ کے لیے نذر کرنا قطعی ثابت نہیں ہوتا**۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خواب سچ کر دکھانا

---

* فاضل مقالہ نگار کی یہ رائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو ان کے بیٹے کی "چھری سے گردن کی شہ رگ کاٹ کر خون بہا کر جان کی قربانی" کا حکم دیا تھا اگر مان لی جائے تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ حکم عمل سے پہلے ہی منسوخ کر دیا۔ اور یہ بات بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ پیغمبر کو واضح لفظوں میں کسی فعل پر مامور کیا جائے پھر اس پر عمل درآمد سے اسے روک دیا جائے۔ اسی اشکال کی وجہ سے بہت سے فقہاء (احناف و شوافع) کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ذبح کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ مقدماتِ ذبح کا حکم دیا تھا (دیکھیے رازی کی تفسیر کبیر) لیکن اس سے دوسرے سوالات اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس ضمن میں مولانا فراہیؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے یا علامہ شبلیؒ کے بیان پر حضرت سید صاحب نے جو حاشیہ لگایا ہے وہی قرینِ صواب معلوم ہوتا ہے۔ مولانا فراہیؒ نے "... الذبیح" کے علاوہ تفسیر سورۂ کوثر اور "مفردات القرآن" میں "الاسلام" کے تحت بھی اس حقیقت پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو رسالہ "التکمیل فی اصول التاویل"، ص ۲۲۶-۲۲۷ (مرتب)

** قرآن مجید میں لفظ "قربان" انھیں معنوں میں استعمال ہوا ہے جو اہلِ لغت نے بیان کیے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس کے حضور یا خدمت میں جو چیز بطور نذر پیش کی جائے اسے قربان کہتے ہیں (آل عمران ۱۸۳ و مائدہ ۲۷) یا جسے تقربِ الٰہی کا ذریعہ بنایا جائے (احقاف)۔ چنانچہ یہ لفظ خواص، مقربین، وزراء، وجلساء وغیرہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے (لسان قرب)۔ جہاں تک حضرت اسمٰعیلؑ کو خدمتِ کعبہ کے لیے نذر کرنے کا تعلق ہے تو اس پر درج ذیل آیتیں شاہد ہیں: "ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع عند بیتک المحرم" (ابراہیم ۳۷)۔ "وعهدنا الیٰ ابراهیم واسمٰعیل ان طهرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود"۔ (بقرہ-۱۲۵) (مرتب)

چاہا تو اللہ تعالیٰ نے فرزند کی قربانی کو ذبحِ عظیم سے بدل دیا کہ اصلاً مقصود آزمائش تھی۔

فاران کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔ مکاتیبِ شبلی میں دو جگہ اور فاران، بکہ/مکہ یعنی مقاماتِ سکونتِ حضرت اسمٰعیل و ہاجرہ کے بارے میں مولانا شبلی نے مولانا فراہی سے ان کی تحقیق دریافت کی تھی یا ان سے معلومات مہیا کرنے کو کہا تھا۔ مکتوب نمبر ۶۰ مورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۱۳ء میں رقم طراز ہیں:

"مدت سے تمھارا کوئی خط نہیں آیا، سیرۃ کے لیے چند روز بہ استقلال الہ آباد رہنا بھی ضروری ہے، توراۃ سے اب کام پڑا ہے، عبدالسلام نے ضروری مباحث کے متعلق تم کو خط لکھا ہوگا۔ زبور ۸۴ آیت ۶ میں وادی بکا کا لفظ ہے، بعض یورپین کی رائے ہے کہ یہ بکہ ہے جو مکہ کا نام ہے لیکن موجودہ نسخوں میں اس کی شکل "بکا" کی ہے، اس کے متعلق تحقیق کر کے لکھو۔"

پھر مکتوب نمبر ۶۲ مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۱۳ء میں لکھتے ہیں:

"مفصل خط پہونچا جو باتیں تم نے لکھی ہیں پہلے سے پیش نظر ہیں، لیکن امور ذیل پر لحاظ کرو: (۱) وادی بکا، بکا کا املا اس طرح لکھتے ہیں کہ "بکاہ" بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک نسخہ میں یہی معنی لیے ہیں، اس لیے عبرانی نسخہ دیکھو کہ کیا ہے؟..."

مولانا نے اس کے بعد ذبیح اسمٰعیل علیہ السلام سے متعلق دوسرے امور لکھے ہیں جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ پھر مکتوب نمبر ۶۳ میں دو باتیں اس ضمن میں لکھی ہیں:

"سید صاحب کے استدلال فاران پر ایک مفصل کتاب ایک پادری نے ۱۸۸۴ء میں لکھی، وہ میرے پاس ہے لیکن نہایت لغو جواب دیے ہیں۔ تاہم فاران کے متعلق جغرافیہ دانانِ یورپ کی تصریح مشکل ہے، انسائیکلوپیڈیا، بائبل ڈکشنری دیکھو، کوئی پختہ بات ملے تو لکھ بھیجو۔"

اس کے بعد مکتوب نمبر ۷۱ مورخہ ۷ جنوری ۱۹۱۴ء لکھنؤ سے لکھتے ہیں:

"... اشعارِ عرب میں جہاں حج کعبہ، یا کعبہ یا مکہ کا ذکر ہو ان کا پورا پتہ

لکھ بھیجو، میں یہی مقام لکھ رہا ہوں۔ عرانی زبان میں بکہ کا تلفظ بُکا ہے، اور اس کے معنی رونے کے ہیں۔ اس بنا پر زبور کی آیت کو نصاریٰ مکہ کے متعلق نہیں سمجھتے۔"[۳۱]

مولانا شبلیؒ کی اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ کے باب "مکہ معظمہ" میں مکہ کا قدیم اور اصلی نام بکہ ہے۔ پھر اس کو قرآن مجید، آل عمران ۹۶، کتاب زبور ۸۴۔ ۶ کی عبارتوں اور آیتوں کی سند پر ثابت کیا ہے اور بکہ کو اگر اسم علم کے بجائے مُشتق قرار دیں تو اس کے معنی رونے کے ہوں گے اور یہ وہی عربی لفظ "بُکاء" ہے، اور مورۃ سے مراد "مروہ" لیا ہے، اور پھر ڈاکٹر ہسٹنگس کا مضمون بعنوان "وادی بکا" مشمولہ "ڈکشنری آف دی بائبل" کا خلاصہ دے کر نقد کیا ہے کہ اس نے اس کو مکہ معظمہ سے کیوں شناخت نہیں کیا۔ پھر "بکہ" اور "بکا" کو ایک لفظ قرار دیا ہے اگرچہ ان کا تلفظ الگ ہے۔ انھوں نے اس ضمن میں جدید انسائیکلوپیڈیا میں مارگولیتھ کے مضمون بعنوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پروفیسر دوزی اور پھر کارلائل کے حوالے دے کر مارگولیتھ پر نقد کیا ہے جو بکہ کو مکہ نہیں سمجھتے۔ مولانا شبلی نے حج، کعبہ اور مکہ وغیرہ کے بارے میں اشعار عرب کا قطعی ذکر نہیں کیا ہے[۳۲]۔ مولانا فراہی کی "ذبیح کون ہے؟" کی بحثوں سے موازنہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شبلی نے اس بحث میں زیادہ تر انحصار اپنی تحقیقات و معلومات پر کیا ہے اور مولانا فراہی کے جوابات و تحقیقات سے کم فائدہ اٹھایا ہے۔ انھوں نے زیادہ تر اپنی انھیں معلومات اور مآخذ پر بھروسہ کیا ہے جن کا ذکر انھوں نے اپنے مکاتیب میں کیا ہے۔ علامہ فراہی نے بکہ، مکہ، بکا وغیرہ سے بحث نہیں کی ہے★ صرف مسکن حضرت اسمٰعیل و ہاجرہ سے کی ہے[۳۳]۔ بہر حال یہ عین ممکن ہے کہ مولانا فراہی کے جوابات سے علامہ شبلی نے فاران اور بکہ وغیرہ کی تحقیق میں فائدہ اٹھایا ہو۔

ایک اور بحث جس پر مولانا شبلی نے تحقیقاتِ فراہی طلب کی تھیں قبل اسلام کا دینِ حنیفی سے متعلق ہے۔ مکتوب نمبر ۶۲ مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۱۳ء میں مولانا فراہی سے دریافت فرماتے ہیں:

★ "مکہ" اور "بکہ" پر مولانا فراہی کی بحث کے لیے ملاحظہ ہو مفردات القرآن (۵، ۷) تحقیق ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی۔

"... ہاں دین حنیفی جو اسلام سے پہلے بھی تھا اور زید وغیرہ اس کے پیرو تھے، اس کا پتہ کہیں جاہلیت کی صحیح شاعری میں بھی ہے، یا کسی اور مستند کتاب میں؟ بخاری اور اصابہ و ملل و نحل وغیرہ میں جس قدر ہے پیش نظر ہے[۳۴]۔"

علامہ شبلی نے سیرت النبی میں عرب کے مذاہب کے تحت مذہب حنیفی پر اسی عنوان سے جو بحث کی ہے اس کے مآخذ و مصادر میں ابن اسحاق، ابن ہشام، بخاری (کی صحیح) اور ابن حجر (کی اصابہ) کا ذکر کرنے کے علاوہ امیہ کے دیوان اور شمائل (ترمذی) کے اشعار اور مرثیہ کا ذکر ضرور کیا ہے تاہم نہ تو اس کے اشعار نقل کیے ہیں اور نہ کسی اور کے بلکہ انھوں نے امیہ بن ابی صلت کے دیوان کے بڑے حصہ کو جعلی بھی قرار دیا ہے[۳۵]۔ علامہ فراہی کے ہاں دین حنیفی پر اس نوع کی بحث نہیں ملتی جیسی مولانا شبلی کو درکار تھی۔ اس بحث میں موخرالذکر کی اثر پذیری یا استفادہ مفقود ہے۔ اگر پس مکاتیب رہا ہو تو برائے نام ہوگا۔[۳۶]

جاہلی عرب کے بعض اہم مقامات سے متعلق کتبات اور ان کے متعلقات ایک اور مبحث تھا جس میں مولانا شبلی نے مولانا فراہی سے مدد چاہی تھی۔ مکتوب نمبر ۶۸ مورخہ ۳ نومبر ۱۹۱۳ء میں حیدر آباد سے ان کو لکھتے ہیں:

"یہاں جرمن زبان میں کئی کتابیں ملیں جن میں یمن وغیرہ کے کتبات دو تین ہزار برس قبل کے فوٹو ہیں۔ یہ بالکل معلومہ خطوط سے الگ ہیں۔ وہاں لائبریری میں دیکھو، ایسی کتابیں عرب کے متعلق موجود ہیں یا نہیں۔ ابتدائی حصہ کی تکمیل اسی پر موقوف ہے[۳۷]۔"

پھر مکتوب نمبر ۷۰ مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۱۳ء میں حیدر آباد ہی سے اسی سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں:

"جرمن کی مبسوط کتاب صرف کتبات پر ہے۔ جس میں نابتی خط کے بہت کتبے ہیں۔ میں نے ولایت خط لکھ دیا ہے، اور بھی چند کتابوں کے لیے۔"

اس کے بعد مکتوب نمبر ۷۳ مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۱۴ء میں لکھنؤ سے ان کو اطلاع و مشورہ دیتے ہیں:

"یورپ نے جو کتبے یمن و حضرموت و حجر و تبوک وغیرہ میں پائے اور جن کو فارسٹر نے بعینہٖ اصلی خطوط قدیمہ میں نقل کیا ہے ان سے قرآن مجید کے تاریخی بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ امیر معاویہ کے زمانہ میں ان

کتبوں کو عبدالرحمٰن گورنر عرب نے پڑھا تھا اور اس کا ترجمہ نویری نے نقل کیا ہے،
وہ یورپ کے حاصل کردہ کتبوں سے قریب قریب بالکل متفق ہے۔ تم کو فارسٹر
صاحب کا جغرافیہ عرب ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے میں نے خرید لیا ہے اور جا بجا
سے ترجمہ کر رہا ہوں۔"

جامع مکاتیب نے اس پر حاشیہ لگایا ہے کہ فارسٹر نے صرف حضر موت کے دو کتبے نقل کیے ہیں؛
مولانا غلطی سے دیگر مقامات کے نام لکھے ہیں۔

اسی سے متصل مکتوب ۷۲ مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۱۴ء کو لکھنؤ ہی سے مولانا فراہی کو بس اطلاع
دیتے ہیں:

"بات یہ ہے کہ ایک کتبہ حصن غراب میں آج کل ۱۸۳۶ء میں یورپ کو ملا
جس پر خط حمیری میں چند سطریں ہیں، جن کا یہ مطلب ہے کہ ہمارے بادشاہ ہم کو
ہود کی شریعت کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ کتبہ میرے پاس ہے، اور عجیب طرح کا خط
ہے، انگریزی ترجمہ بھی ہے۔"

علامہ سید سلیمان ندوی نے اس پر یہ توضیحی نوٹ لگایا ہے کہ:

"حضر موت میں ولسٹڈ نام ایک انگریز نے دریافت کیا تھا۔ فارسٹر
نے اپنے جغرافیہ میں اس کتبہ کو نقل کیا ہے۔ مولانا کا ماخذ بھی وہی ہے۔"[37]

اس باب میں مولانا شبلی کا یہ آخری خط ہے۔ سیرت النبی میں مصنف مرحوم نے عرب کے طویل
باب میں معلومات کے ماخذ میں عرب کی قدیم ویران شدہ عمارتوں کے کتبات اور یورپ کی
قدیم تصنیفات کو بھی گنایا ہے اور عرب کی قدیم حکومتیں والی فصل میں ان کا ذکر کیا ہے خاص کر
انسائیکلوپیڈیا کے ایک آرٹکل سے جو جی۔ ڈبلو تھیاچر کا تحریر کردہ ہے۔ دوسری یورپی تصانیف
میں نکلسن کی لٹریری ہسٹری آف عرب، نولدیکی، جغرافیہ فارسٹر کا ذکر کیا ہے[38] بظاہر مولانا فراہی
سے ان کو اس باب میں زیادہ مدد نہیں ملی تھی، اور انھوں نے اپنی ہی عام معلومات پر بھروسہ
کیا تھا۔

تحقیقات و معلوماتِ فراہی سے آخری استفادۂ شبلی کا علم ہم کو ان کے مکتوب ۷۲

مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۱۴ء سے ہوتا ہے جو لکھنؤ ہی سے لکھا گیا تھا اور جس کا آغاز اس جملہ سے
ہوتا ہے:

"برادرم! سیرت کا ایک مضمون آج مرسل ہے یہ بہت کمزور اور ناتمام
ہے، اس کو تم وسیع اور پُرزور کر کے بھیج دو۔ میں اب شروع سے چل رہا ہوں،
یعنی مسودہ جس قدر نظر ثانی ہوتا جاتا ہے، مطبع میں جانے کے قابل ہوتا جاتا ہے۔
اس لیے اس مضمون کی جلدی ہے کہ سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔"[39]

جامع مکاتیب نے اپنے حاشیہ میں اس مضمون کی شناخت نہیں بتائی اس لیے یہ کہنا
مشکل ہے کہ کس مضمون کی کمزوری اور ناتمامی دور کرنی اور وسعت و پُرزوری پیدا کرنی
مقصودِ شبلی تھی۔ غالباً مکہ، کعبہ اور حج کعبہ والے حصہ سے مولانا شبلی کی مراد تھی، کیونکہ اس سے
پہلے تین دن قبل لکھے جانے والے مکتوب ۷۱ میں اشعار عرب کے حوالہ سے مولانا شبلی
نے ان سے مدد چاہی تھی اور جس کے بارے میں کہا تھا کہ "میں یہی مقام لکھ رہا ہوں"۔[40]
سیرت النبیؐ میں "مکہ معظمہ" والے باب میں مکہ سے متعلق بحث واقعی ناتمام ہے اور کعبہ
اور حج کعبہ کا بیان بھی کمزور ہے[41] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فراہی نے اس پر یا تو سرے سے
کوئی اضافہ نہیں کیا تھا یا اگر کیا تھا تو وہ ناقابلِ ذکر تھا۔* کیونکہ پورا باب علامہ شبلی کے پرانے

---

* علامہ شبلیؒ کے خطوط کے جو جوابات مولانا فراہیؒ نے دیے وہ محفوظ نہیں رکھے گئے۔ علامہ کے بعض خطوط
تفصیلی جواب کے طالب تھے۔ مذکورہ خط بھی اسی نوعیت کا ہے جو انتقال سے تقریباً گیارہ ماہ پہلے لکھا گیا۔
بہت ممکن ہے کام کی نوعیت کے لحاظ سے تعمیل حکم میں مولانا فراہی سے تاخیر ہوئی ہو یا بروقت اسے انجام نہ
دے سکے ہوں۔ ویسے مولانا فراہیؒ نے سورۂ تین، سورۂ فیل اور سورۂ کوثر کی تفسیر میں جو علامہ کے انتقال کے
کافی عرصہ بعد شائع ہوئیں ان موضوعات سے بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ "نسب نامہ نبوی" کے عنوان سے
مولانا کا ایک مضمون معارف کے دسمبر ۱۹۱۶ء اور جنوری ۱۹۱۷ء کے شماروں میں شائع ہوا تھا جو انھیں مباحث
سے متعلق ہے۔ مزید برآں سورۂ تین کی تفسیر میں مولانا فراہیؒ نے "فاران" کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "سورۂ صافات
کی تفسیر میں ہم اس پر مفصل بحث کر چکے ہیں"۔ ملاحظہ ہو ترجمہ تفسیر نظام القرآن ص ۳۲۵، اس سورہ کی تفسیر ابھی تک شائع نہیں ہو سکی۔

خیالات و معلومات پر مبنی ہے اس میں اضافاتِ فراہی نظر نہیں آتے۔ بعض قرآنی شواہد کی بنا پر یہ قیاسِ خاکسار ہی ہے اس سلسلہ میں کوئی حتمی بات مولانا فراہی یا جامع سیرۃ النبی ہی کہہ سکتے تھے۔

آخری تجزیہ

سیرتِ نبوی کے حوالہ سے علامہ شبلی نعمانی کی مولانا حمید الدین فراہی کی قرآنی اور علمی تحقیقات سے استفادہ کی کل مدت جیسا کہ مکاتیب شبلی کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے لگ بھگ دو سال یعنی ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۴ء تک رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ سیرتِ نبوی کے علاوہ بعض دوسرے علمی مسائل کے ضمن میں یا فراہی تحقیقاتِ قرآنی کے تعلق سے یہ مدت اس سے کہیں زیادہ تھی جیسا کہ مولانا شبلی کے بعض مکاتیب و مقالات وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی کا یہ تبصرہ قریب قریب بالکل صحیح ہے کہ فراہی تحقیقات سے استفادہ شبلی زیادہ تر "صحفِ بنی اسرائیل اور قرآن پاک کے مباحث" سے تھا۔ اس کی صحت پر گزشتہ مفصل و مدلل بحث بھی شہادت دیتی ہے۔ اس پر زیادہ سے زیادہ اشعار عرب یا قدیم جاہلی شاعری کا اضافہ کیا جا سکتا ہے مگر اس پر استفادہ شبلی کے شواہد صفر کے برابر ہیں لہٰذا وہ درجہ امکان تک رہ جاتا ہے۔

علامہ شبلی کا تحقیقاتِ فراہی سے استفادہ کی نوعیت وہ نہ تھی جو ایک سائل کی معطی سے یا ایک طالب علم کی استاذ سے ہوتی ہے بلکہ وہ ایک صاحبِ علم و فضل اور محقق و مصنف کی ایک متخصص علوم یا ماہر فنون سے استفادہ کی تھی۔ مصنفِ سیرۃ النبی اول تو مولانا فراہی کی قرآنی مہارت اور صحفِ سماوی اور عربی شاعری پر عبور سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، دوم وہ قلتِ وقت اور عدیم الفرصتی اور بیماری کے سبب خود ان موضوعات پر تحقیق کر کے وقت ضائع کرنے کے قائل نہ تھے۔ سوم ان میں وسعتِ نظر، کشادگی فکر اور تبحر علم تھا کہ وہ دوسرے ماہرین علوم و فنون کے اکتسابات سے فائدہ اُٹھا کر خالص علمی اور تحقیقی روایات کی پاسداری اور بڑی حد تک ان کی نشاۃ ثانیہ کرنا چاہتے تھے کہ علمائے کرام، دانشورانِ عظام اور اربابِ علم و قلم میں یہ روایات مُردہ ہو چکی تھیں، اور آخر یہ کہ وہ اپنے قابل تلامذہ، شاگردانِ رشید اور

متوسلانِ دامنِ شبلی کی ہمت افزائی، علم پروری اور قدردانی بھی کرنا چاہتے تھے۔

اپنے ان استفاداتِ علمی اور تحقیقاتِ فنی میں مولانا شبلی نے تمام پیش رو اور معاصر علمائے کرام، محدثین عظام اور صاحبانِ تصنیف و تحریر سے عام طور پر اور مولانا فراہی کی تحقیقاتِ عالیہ سے خاص کر کُلّی اتفاق نہیں کیا بلکہ ان کو نقدِ فن اور معیارِ علم کی کسوٹی پر پرکھ کر قبول یا مسترد کیا۔ گزشتہ مباحث میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ انھوں نے ازواجِ مطہرات کے تعلق سے آیاتِ تخییر، ایلاء اور مظاہرہ کے بارے میں رد و قبول کا یہی طریقہ اختیار کیا۔ حضرت اسمٰعیل کے ذبیح ہونے اور حضرت اسحٰق کے ذبیح نہ ہونے کی بنیادی تحقیقِ فراہی تو قبول کر لی مگر حضرت اسحٰق کی صغر سنی پر ان کی دلیل اور تقرب کی ناتمامی* پر نقد بھی کیا۔ سورۂ زارۃ کے بارے میں اور بعض دوسرے مباحث جیسے مکہ/بکہ، فاران وغیرہ کی تحقیق و بحث میں مولانا شبلی نے یا تو فراہی تحقیقات سے فائدہ نہیں اٹھایا یا ان سے اتفاق نہیں کیا**۔ اسی طرح تورات کی بعض نصوص کے حوالے نقل نہ کرنے پر بھی نقد کیا۔ جاہلی عرب شاعری کے بارے میں مولانا شبلی کا خیال تھا کہ بہت سا الحاقی کلام ان شعراء کے دواوین میں شامل کر دیا گیا ہے اس لیے وہ ان سے استناد کرنے کو ثانوی درجہ پر رکھتے تھے اور اکثر انھوں نے ان سے استناد کیا ہی نہیں۔ علامہ فراہی کی دوسری قرآنی تحقیقات کے بارے میں بھی علامہ شبلی کا یہی رویہ ہے کہ وہ معیارِ نقد پر کس کر

---

* حضرت اسحٰق کی صغر سنی وغیرہ سے متعلق علامہ شبلی نے جو سوالات اٹھائے ہیں وہ فاضل مقالہ نگار کے بیان کے مطابق مسئلہ ذبح سے متعلق علامہ کے مکتوب مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۱۲ء میں ہیں۔ اس کے بعد بعد کے کسی خط میں حضرت اسحٰق کی صغر سنی کا مسئلہ انھوں نے نہیں اٹھایا۔ مولانا فراہی نے "... الذبیح" میں اس عنوان کے تحت جو بحث کی ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے علامہ کے استفسارات کو پیش نظر رکھا ہے۔ پھر مولانا فراہی نے تو تورات ہی سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قربانی کا واقعہ حضرت اسحٰق کی پیدائش سے ایک سال قبل پیش آیا۔ اس لیے اس امر میں "تقرب کی ناتمامی" کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

** فاضل مقالہ نگار کی یہ رائے اس سے مختلف ہے جو انھوں نے صفحہ ۴۴۳ میں ظاہر فرمائی کہ "بہر حال یہ عین ممکن ہے کہ مولانا فراہی کے جوابات سے علامہ شبلی نے فاران اور بکہ دونوں کی تحقیق میں فائدہ اٹھایا ہو"۔

قبول یا مسترد کرتے ہیں اور ایسا کئی جگہ کیا ہے۔ سیرت النبیؐ میں تحقیقاتِ فراہی سے استفادۂ شبلی بہت محدود ہے اور حجم وضخامت یا کمیت وکیفیت دونوں کے لحاظ سے خاصا کم ہے۔ اس کے علاوہ بعض استفاداتِ شبلی علمارکرام اور ناقدینِ عظام کے نقد وتبصرہ کا باعث بھی بنی ہیں خاص کر حضرت اسمٰعیل کی قربانی کی حقیقت اور اس باب میں حضرت ابراہیم کے رویائے صادقہ کو رویائے تمثیلی قرار دینے کی تحقیق فراہیؒ۔ مجموعی طور سے ہم اس استفادۂ شبلی کو ایک بالغ نظر، صاحبِ تحقیق وتدقیق اور دوربین عالم ومصنف کا وہ استفادۂ علمی قرار دے سکتے ہیں جو معیارِ علم اور معیارِ نقد پر کھرا اُتر سکے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

★ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو ص   پر حاشیۂ مرتب۔

تعلیقات وحواشی

۱۔ محمد عنایت اللہ سبحانی، علامہ حمید الدین فراہی، مکتبہ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ ۱۹۷۸ء، ص ۹۔۴۸ پر الجمعیۃ مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۳۶ء کے حوالے سے مولانا فارقلیط کا تبصرہ نقل کرتے ہیں: "مرحوم علامہ شبلی ان کی استعداد قرآنی سے تاحیات بہرہ اندوز ہوتے رہے..."

۲۔ سبحانی، مذکورہ بالا، ص ۴۹۔۴۰، ص ۲۔۵۱، ص ۶۱۔۱۵۶ وغیرہ نے مولانا شبلی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہ جیسے عظیم معاصرین پر ان کے اثرات وافاضات کا ذکر کیا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا اختر احسن اصلاحی ان کے معاصرین ہونے کے علاوہ ان کے شاگردانِ خاص تھے جو بعد میں فکرِ فراہی کے سب سے بڑے ترجمان بنے خاص کر اول الذکر۔

۳۔ مولانا فراہی کی تعلیم وتربیت شبلی کے لیے ملاحظہ ہو: سبحانی، مذکورہ بالا، ص ۸، علامہ حمید الدین فراہی، تفسیر نظام القرآن دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، ۱۹۹۰ء کا باب "مصنف کے مختصر حالاتِ زندگی"

ازقلم مترجم مولانا امین احسن اصلاحی ص ۱۰۔۹، نیز مکاتیبِ شبلی، دوم ص ۱ پر حاشیہ مرتب جس میں ان کا مختصر سوانحی خاکہ ہے۔ سید سلیمان ندوی، حیاتِ شبلی، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۸۳ء، ص ۹۷

۴۔ ملاحظہ ہو مکاتیب شبلی کے آئندہ متعدد حواشی۔

۵۔ حیاتِ شبلی، ص ۲۰۷

۶۔ مکاتیبِ شبلی، مطبع معارف ۱۹۲۶ء (طبع دوم)، دوم ص ۱۔۵۵

۷۔ مکتوب نمبر ۵۶ سے مکتوب نمبر ۴۲ تک۔

۸۔ مکاتیبِ شبلی، دوم ص ۳۷

۹۔ مکاتیب، دوم ص ۳۸۔ پہلے اور دوسرے خط کے درمیان صرف ایک ہفتہ کا وقفہ ہے، اور دونوں خط لکھنؤ سے لکھے گئے تھے۔

۱۰۔ مکاتیب، دوم ص ۴۵۔۴۶، مولانا نے یہ دونوں خطوط حیدرآباد سے مولانا فراہی کو لکھے تھے۔ اوّل کی تاریخ ۲۱ اکتوبر ۱۹۱۳ء جب کہ دوسرے میں صرف سنہ دیا ہے تاریخ وماہ نہیں۔ لیکن اگلے پچھلے خطوط سے واضح ہوتا ہے کہ اسی دن یا دوسرے دن یعنی ۲۱ یا ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو لکھا گیا تھا کیونکہ اگلا مکتوب نمبر ۶۷ حیدرآباد ہی سے ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو تحریر کیا تھا۔ اور اس سے اگلا یعنی نمبر ۶۸ حیدرآباد ہی سے ۳ نومبر ۱۹۱۳ء کو۔ اس طرح ان خطوط کے درمیان صرف دو ہفتوں کا وقفہ ہے۔

۱۱۔ مکاتیب دوم ص ۴۷۔ مکتوب نمبر ۶۸ مورخہ ۳ نومبر ۱۹۱۳ء از حیدرآباد

۱۲۔ سیرت النبی، اول ص ۶۲۔۵۴۷، باب ایلا، تخییر، غزوہ تبوک وغیرہ، دوم ۴۰۴۔۲۸۷ میں یہ بحث اخلاق نبوی، ازواج مطہرات اور ازواج مطہرات کے ساتھ برتاؤ تینوں ابواب میں نہیں ہے۔

۱۳۔ مکاتیب، اول، ص ۹۔۲۵۸ میں منشی محمد امین زبیری کے نام اپنے مکتوب نمبر ۲۸ مورخہ ۳۰ جون ۱۹۱۴ء کو بمبئی سے لکھتے ہیں: "بہرحال سیرت عائشہ تو وہ (سید سلیمان ندوی) لکھ دیں گے بقیہ ازواج مطہرات کو میں نے سیرت میں لے لیا ہے لیکن بہت پھیلا کر نہیں۔ یہ حصہ اپنی زیر ہدایت میں نے عبدالسلام سے طیار کرایا گو ابھی نظر ثانی نہیں کی۔ ان لوگوں کے حالات اتنے نہیں کہ الگ الگ رسالے لکھے جاسکیں، بلکہ سب کو ایک رسالہ کرنا ہوگا تاکہ ایک معقول ضخامت کی کتاب ہوجائے۔

۱۴-

۱۵- سیرت النبی اول ص ۵۸-۵۴۷ اور بعد کے صفحات ص ۶۲-۵۵۸

۱۶- تفسیر نظام القرآن، ص ۸۷-۱۶۰ تفسیر سورۂ تحریم۔

۱۷- مکاتیب دوم ص ۲-۵۱، یہ خط لکھنؤ سے لکھا گیا تھا۔

۱۸- سیرت النبی اول، ص ۵۰، حاشیہ نمبر ۱۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے مذکورہ بالا خط کا جو حوالہ دیا ہے اس میں فتح مکہ کے وقت ۸ھ میں ان آیات کے نزول کا مولانا شبلی کا خیال مذکور یا مضمر نہیں ہے۔ مکتوب کا نمبر اور صفحہ اگر صحیح ہے تو اس کا تعلق مذکورہ بالا خط سے ہے۔

۱۹- تفسیر نظام القرآن

۲۰- مکاتیب دوم، ص ۹-۳۸، خط کا مقام ارسال نہیں لکھا ہے۔ نیز جامع کا حاشیہ نمبر ۱

۲۱- مکاتیب دوم، ص ۲-۴۱۔ اس موضوع سے متعلق پہلے خط کے تقریباً ۹ ماہ بعد یہ خط لکھا گیا ہے۔ جامع محترم نے انگریز کی کتاب مذکورہ بالا کی نشان دہی نہیں کی ہے۔

۲۲- مکاتیب دوم، ص ۴۳

۲۳- مکاتیب دوم، ص ۵۴ مکتوب نمبر ۶۶ میں سنہ ۱۹۱۳ء ہے مگر ماہ و تاریخ نہیں ہے۔ اس کی توجیہ اوپر ایک حاشیہ میں کی گئی ہے۔

۲۴- مکاتیب دوم، ص ۴۸

۲۵- مکاتیب دوم، ص ۴۰-۳۹

۲۶- مکاتیب دوم، ص ۴۹

۲۷- سیرت النبی، اول، ص ۴۸-۱۲۹

۲۸- مولانا فراہی، ذبیح کون ہے؟ اردو ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی، دائرۂ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر طبع اول غیر مورخہ، کل صفحات ۱۸۵، (چھوٹی تقطیع)

۲۹- سیرت النبی اول ص ۱۴۷، حاشیہ اسی صفحہ پر جو ص ۱۴۵ سے شروع ہو کر ص ۱۴۸ تک پھیلا ہوا ہے۔

۳۰- اس مفہوم پر تمام علماء امت اور مفسرین قرآن کا اجماع ہے۔

۳۱- مکاتیب شبلی، دوم، ص ۴۰، ۴۱، ۴۲ اور ص ۵۰

۳۲- سیرت النبی اول، ص ۱۵۳-۱۴۹

۳۳- ملاحظہ ہو، ذبیح کون ہے؟ کا باب "حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل کا مسکن" ص ۸-۳۴ نیز باب آخر ص ۸۳-۱۷۷ جس میں انھوں نے خانۂ کعبہ کے بارے میں بعض اشعار عرب کا ذکر حج کعبہ وغیرہ کے متعلق کیا ہے۔

۳۴- مکاتیب، دوم ص ۳-۴۲

۳۵- سیرت النبی، اول، ص ۶-۱۲۳

۳۶- ذبیح کون ہے؟ ص ۲-۱۸۲ میں صرف امیہ بن ابی صلت کے وہ اشعار درج ہیں، جو خانہ کعبہ کے تقدس سے متعلق ہیں۔

۳۷- مکاتیب، دوم، ص ۴۷، ۴۹، ۵۲۔ جامع کے حواشی نمبر ۱ اور نمبر ۲

۳۸- سیرت النبی، اول، ص ۱۸-۱۰۴، ان کے علاوہ کئی عرب ماخذ کا بھی ذکر کیا ہے۔

۳۹- مکاتیب، دوم، ص ۱-۵۰

۴۰- مکاتیب، دوم، ص ۵۰

۴۱- سیرت النبی، اول، ص ۵۹-۱۴۹، دس ساڑھے دس صفحات کے اس باب میں تین مباحث ہیں: مکہ معظمہ / بکہ، خانہ کعبہ کی تعمیر اور حضرت اسمٰعیل کی قربانی۔